اکائی 5 میر امن دہلوی کا اسلوب

ساخت

5.1 اغراض و مقاصد
5.2 تمہید
5.3 میر امن دہلوی کا اسلوب
5.3.1 داستانوی اسلوب
5.3.2 روزمرہ اور محاورے
5.3.3 ضرب الامثال
5.3.4 کرداروں کی زبان/طبقاتی زبان
5.3.5 تراکیب، قافیہ، الفاظ کی تکرار
5.3.6 ہندی الفاظ کا استعمال
5.4 آپ نے کیا سیکھا
5.5 اپنا امتحان خود لیجیے
5.6 سوالوں کے جوابات
5.7 فرہنگ
5.8 کتب برائے مطالعہ

5.1 اغراض و مقاصد

اس اکائی میں آپ

- میر امن دہلوی اور ان کی تصانیف سے متعارف ہوں گے۔
- ''باغ و بہار'' کے اسلوب سے واقف ہوں گے۔
- اردو ادب میں سادہ نثر کی ابتدا اور ارتقاء کو بھی جان سکیں گے۔
- داستان میں مستعمل محاوروں اور روزمرہ سے واقف ہوں گے۔
- داستان میں کرداروں کی زبان کی خصوصیات سے بھی واقف ہوں گے۔
- میر امن دہلوی کی زبان کے محاسن سے متعارف ہوں گے۔

5.2 تمہید

اردو نثر کی تاریخ میں میر امن ایک ایسا نام ہے جس نے 'باغ و بہار' اور 'گنج خوبی' جیسی معرکتہ الآرا کتابیں لکھ کر نہ صرف اردو زبان کو بال و پر عطا کیا بلکہ اردو ادب کو نیا، سادہ و سلیس اسلوب سے بہرور کیا۔ جس کتاب نے انھیں حیات

جاویدانی عطا کی وہ 'باغ و بہار' ہے۔ اپنی اس کتاب میں انھوں نے ایسی سحر کاری کی ہے کہ جب تک اردو زبان رہے گی تب تک اس کا جادو سر چڑھ کر بولتا رہے گا اور اس کی قدر و قیمت میں مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہے گا۔

میر امن کی اسلوب نگارش کا مطالعہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی تخلیقات کی زبان کا مطالعہ کیا جائے۔ میر امن نے باغ و بہار جان گل کرسٹ کی فرمائش پر میر محمد حسین عطا خاں تحسین کی نوطرز مرصع سے ترجمہ کی اور اس طرح یہ داستان اردو نثر میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اردو نثر میں پہلی مرتبہ سلیس اور آسان عبارت کا رواج اسی داستان کی وجہ سے ممکن ہوا۔ آگے چل کر غالب کی نثر نے اسے کمال تک پہنچا دیا۔ اسی لیے مولوی عبدالحق کا کہنا ہے کہ اردو نثر کی ان چند کتابوں میں باغ و بہار کو شمار کیا جاتا ہے جو ہمیشہ زندہ رہنے والی ہیں اور شوق سے پڑھی جائیں گی۔

میر امن سے اردو نثر کے ایک نئے اسلوب کا آغاز ہوتا ہے۔ باغ و بہار سے قبل 'نوطرزِ مرصع' کو نثری بیان کا معیار تصور کیا جاتا تھا۔ باغ و بہار کی اشاعت اور قبولیت کے بعد اردو نثر عوام کے قریب آئی۔ اس کتاب کا سب سے بڑا حسن اس کی زبان ہے۔ یہ زبان اس وقت تشکیل دی گئی جب انشاء پردازی کا طلسم مکمل طور سے نہیں ٹوٹا تھا۔ فارسی لکھنا اور عبارت آرائی کا کمال دکھانا علمیت اور قابلیت کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ میر امن خود اپنی زبان کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

> ''جان گل کرسٹ صاحب نے (کہ اقبال اُن کا زیادہ رہے جب تلک گنگا جمنا بہے) لطف سے فرمایا کہ اس قصے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں، جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان، عورت مرد، لڑکے بالے، خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں، ترجمہ کرو، موافق حکم حضور کے، میں نے بھی اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔
>
> ('باغ و بہار' رشید حسن خاں ص ۱۱-۱۲)

آگے چل کر اردو زبان کی ابتدا اور نشو نما کا ذکر کرتے ہوئے میر امن اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اگر چہ وہ دلی سے دور پردیس میں زندگی گزار رہے ہیں لیکن ان کی اردو دلی کی ٹکسالی اردو ہے۔ کیوں کہ ''جو شخص سب آفتیں سہہ کر دلی کا روڑا ہو کر رہا اور دس پانچ پشتیں اسی شہر میں گزریں اور اس نے دربار امراؤں کے اور میلے ٹھیلے، عرس چھڑیاں، سیر تماشا اور کوچہ گردی اس شہر کی مدت تلک کی ہوگی اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ میں رکھا ہوگا اس کا بولنا البتہ ٹھیک ہے۔'' (ص:۱۵)

مذکورہ اقتباسات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر امن نے اس میں دو دعوے پیش کیے ہیں۔ پہلا یہ کہ انھوں نے ''ٹھیٹھ ہندوستانی محاورے میں یعنی گفتگو کی زبان میں باغ و بہار لکھی ہے۔ اور دوسرا یہ کہ ان کی اردو دلی کی اصلی اردو ہے۔

کلیم الدین احمد لکھتے ہیں کہ

> ''...یہ سادگی سپاٹ نہیں، یہاں ناگوار نیرنگی نہیں، یہاں سادگی و پرکاری بیک وقت جمع ہیں.....میر امن کی عبارت میں ایک خاص آہنگ ہے جسے موسیقیت یا وزن سے کوئی سروکار نہیں جملوں کی ساخت ترتیب اور 'حرکت' میں باریکی تناسب اور جاذبیت ہے۔ (اردو زبان اور فن داستان گوئی ص ۱۵۴-۱۵۵)

ignou THE PEOPLE'S UNIVERSITY

میر امن کی نثر کے بارے میں یہ مختلف آرا ان کی زبان کے خدوخال کو واضح کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ خود میر امن دہلوی اپنی زبان کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو کی زبان بتاتے ہیں۔

5.3 میر امن دہلوی کا اسلوب

5.3.1 داستانوی اسلوب:

داستان کے فن کا ایک اہم عنصر یہ بھی ہے کہ داستان لکھنے کا نہیں، سنانے کا فن ہے۔ اس لیے داستان گو کو قوت بیان پر اس قدر مہارت ہونی چاہیے کہ وہ سامعین کی توجہ کو اپنی طرف مرکوز کرا سکے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب داستان گو انھیں کے لہجہ اور زبان میں داستان سنائے جو سامعین کا ہے۔ باغ و بہار کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسے پڑھتے ہوئے اس کے زبانی بیانیہ کا احساس ابتدا سے ہی نظر آتا ہے۔

> ''اب آغاز قصے کا کرتا ہوں ذرا کان دھر کر سنو اور منصفی کرو، سیر میں چار درویش کی یوں لکھا ہے، اور کہنے والے نے کہا ہے، کہ آگے روم کے ملک میں کوئی شہنشاہ تھا کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت اس کی ذات میں تھی، نام اس کا آزاد بخت۔''

> مجھے جو کم بختی لگی، دروازہ بند نہ کیا۔ ایک بڑھیا شیطان کی خالہ، اس کا خدا کرے منہ کالا، ہاتھ میں تسبیح لٹکائے۔ برقع اوڑھے، دروازہ کھلا پا کر دھڑک چلی آئی اور سامنے ملکہ کے کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا دینے لگی کہ الٰہی، تیری نتھ، جوڑی سہاگ کی سلامت رہنے اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے۔''

درج بالا اقتباس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ میر امن نے کس خوش اسلوبی سے تحریر کو زبانی بیانیہ کا رنگ دے دیا ہے۔ اس کی قرأت کے دوران قاری کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ کوئی تحریر پڑھ رہا ہے، بلکہ ایسا لگتا ہے کہ کوئی قصہ گو بیٹھا اسے قصہ سنا رہا ہے۔ داستانوی اسلوب کی یہ وہ خصوصیت ہے جو اسے دوسرے نثری اصناف سے ممتاز کرتی ہے۔ میر امن کے نثر کی یہی خوبی اسے زندہ و جاوید کر دیتی ہے۔ سید عبداللہ لکھتے ہیں کہ ''اس کی زبان اس زمانے کی عام زبان اور عام لوگوں کی زبان ہے اور اس لحاظ سے اجتماعی زندگی کی سچی ترجمان ہے۔ اسی سبب سے اس میں اس زمانے کے لوگوں خصوصاً دلی والوں کی فطرتیں، صلاحیتیں، طبیعتیں اور رجحانات و میلانات آشکارا ہوتے ہیں:

> ''اب خداوند نعمت صاحب مروت نجیبوں کے قدر دان جان گل کرسٹ نے (کہ ہمیشہ اقبال ان کا زیادہ رہیجب تلک گنگا جمنا بہے) لطف سے فرمایا کہ اس قصے کو ٹھینٹھ ہندوستانی گفتگو میں جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان، عورت مرد، لڑکے بالے، خاص و عام، آپس میں بولتے چالتے ہیں ترجمہ کرو۔ موافق حکم حضور کے میں نے بھی اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔''

مذکورہ عبارت میں ''خاص و عام بولتے چالتے ہیں'' کے معنی یہ ہیں کہ اس طرح نہیں جیسے کوئی علمی یا فلسفیانہ نثر ہوتی ہے۔ بلکہ گفتگو کی زبان میں اصول تخاطب کا خیال رکھا جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے فقروں کا استعمال کیا جاتا

ہے۔ مکالمہ بعض اوقات جملوں پر تشکیل دیا جاتا ہے۔ بول چال کی زبان میں عموماً ایسے مرکب لفظوں کا استعمال کیا جاتا ہے جو تابع مہمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میرامن نے اپنی نثر میں گفتگو کا فطری انداز قائم رکھنے کے لیے یہی طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ جملے دیکھیے:

''اور کئی آدمی مرہم کی تیاری کے لیے کچھ پیس پاس رہے تھے۔''

بغیر پوچھے گچھے اتنا مال... میرے حوالے کیا۔''

''اس جوان نے بڑی ٹیپ ٹاپ سے تیاری ضیافت کی۔''

''دیکھتا ہوں تو نازنین... سادی خوزادی، بن گہنے پاتے... خبر گیری میں ضیافت کی لگ رہی ہے۔''

''چمک سے آگ جھاڑ، بھون بھان کر کھالیتے۔''

''مارے ڈر کے لڑھتا پڑتا پہاڑ سے نیچے آیا۔''

مذکورہ جملوں میں پیس۔ پاس، پوچھے۔ گچھے، ٹیپ۔ ٹاپ، سادی۔ خوزادی، بھون۔ بھان، لڑھتا۔ پڑتا، وغیرہ ایسے مرکبات ہیں جو خاص طور سے صرف گفتگو کے دوران ہی استعمال کیے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر گیان چند جین ان کی نثر کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''انھوں نے اپنی کتاب آسان اور بامحاورہ زبان میں اس وقت لکھی جب کے فارسی اور عربی الفاظ کی شدت، قافیہ پیمائی، رنگین بیانی کو ہی قابلیت کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ سلیس نگار کو کم علم جان کر کوئی خاطر میں نہ لاتا تھا، میرامن نے روزمرہ اور محاورے کی نظر فریب کاریوں کے سامنے عربیت کی سنگلاخ زمین کو ہیچ جانا۔۔۔ باغ و بہار کے باغ پر ہمیشہ بہار رہی اور رہے گی۔''

5.3.2 روزمرہ اور محاورے:

حقیقت یہ ہے کہ میرامن نے عوامی بولی کو تحریری زبان کی شکل عطا کی۔ ان کے پاس عوام و خواص کی بولیوں کے الفاظ کا بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ انھوں نے اپنی نثری تخلیقات میں ایسے بہت سے الفاظ استعمال کئے ہیں جو دہلی اور نواحِ دہلی میں بولے جاتے رہے ہوں گے۔ لیکن کسی کتاب میں ان کی سند نہیں ملتی۔ میرامن کی شعوری کوشش تھی کہ عوام کے بیچ مستعمل زبان اور محاورے ہی وہ اپنی تخلیقات میں شامل کریں۔ اس کے متعلق انھوں نے خود ذکر کیا ہے کہ میں نے بھی اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔ میرامن کا یہی انداز بیان ان کی خصوصیت بن گیا۔ میرامن کے اسلوب میں ہندوستانی عوام کا رنگ صاف نظر آتا ہے۔ ان کے محاوروں میں فارسی نہیں بلکہ اردو کا مقامی انداز دکھائی دیتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''اے بیرن! تو میری آنکھوں کی پتلی اور ماں باپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے۔ تیرے آنے سے میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ جب تجھے دیکھتی ہوں، باغ باغ ہوتی ہوں۔ تو نے مجھے نہال کیا۔ لیکن مردوں کو خدا نے کمانے کے لیے بنایا ہے۔ گھر میں بیٹھے رہنا ان کو لازم نہیں۔ جو مرد نکھٹو ہو کر گھر سیتا ہے، اس کو دنیا کے لوگ طعنہ دیتے ہیں۔ خصوصاً اس شہر کے آدمی چھوٹے بڑے،

سب تمہارے رہنے پر یہ کہیں گے۔ اپنے باپ کی دولتِ دنیا کھو کھا کر بہنوئی کے ٹکڑوں پر آپڑا۔ یہ نہایت بے غیرتی اور میری تمہاری ہنسائی اور ماں باپ کے نام کو سبب لاج لگنے کا ہے، نہیں تو میں اپنے چمڑے کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں اور کلیجے میں ڈال رکھوں۔''

میر امن کی نثر اپنے زمانے کے ذہنی رجحانات کی آئینہ دار ہے۔ زمانے کے یہ رجحانات ان کی کتاب 'باغ و بہار' میں اپنا عکس دکھا رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ محاورہ زندگی کی ان دیرپا اور مستقل کیفیتوں کی ترجمانی کرتے ہیں جو کسی اجتماع کے مسلسل عمل و تعامل سے پیدا ہوتے ہیں نثر جب بلوغت کے درجے کو پہنچتی ہے تو اس میں محاورے کے درست اور برمحل استعمال کی قدرت پیدا ہو جاتی ہے۔ سید عبداللہ لکھتے ہیں:

''محاورے کا باسلیقہ استعمال محاورات کی بھرمار اور اسراف الفاظ کا نام نہیں یہ تو لفظی کفایت شعاری کا ایک خوش نما عمل ہے۔ یعنی تھوڑے لفظوں میں اجتماعی یا انفرادی زندگی کا کوئی مرقع اگر پیش کرنا ہو تو اس کے لیے اچھے اور برمحل محاورے سے بہتر کوئی وسیلہ نہیں۔''

میر امن کی نثر میں محاورات کا استعمال فطری اور تخلیقی معلوم ہوتا ہے۔ درج ذیل سطروں میں آنے والے محاورات دیکھیے:

''راہی مسافر جنگل میدان میں سونا اچھالتے چلے جاتے، کوئی نہ پوچھتا کہ تمارے منہ میں کے دانت ہیں اور کہاں جاتے ہو۔''

''دوست آشنا جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے اور چمچہ بھر خون اپنا ہر بات میں زبان سے نثار کرتے تھے، کافور ہو گئے۔ بلکہ راہ بانٹ میں آکر کہیں بھینٹ ملاقات ہو جاتی تو آنکھیں چرا کر منہ پھیر لیتے۔''

پھول سا بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا اور رنگ جو کندن سا دمکتا تھا، ہلدی سا بن گیا۔''

''اسی طرح تین دن رات صاف گزر گئے کہ ملکہ کے منہ میں کھیل بھی اڑ کر نہ گئی۔''

باغ و بہار میں محاوروں کی فراوانی ہے، محاوروں سے نہ صرف زبان میں بول چال کا سا فطری انداز پیدا ہوتا ہے بلکہ بات کو اختصار سے پیش کرنے کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ بقول پروفیسر ممتاز حسین:

''میر امن فطرتاً اختصار پسند واقع ہوئے تھے اس لیے وہ اکثر اس عمل کے بجائے چھوٹے چھوٹے محاوروں اور اچھوتے استعاروں سے بھی کام نکال لیتے ہیں۔''

(باغ و بہار۔ ممتاز حسین، ص ۶۳)

ہر محاورے میں استعارے کا عمل کارفرما ہوتا ہے اور یہ بلاغت کا اصول ہے کہ ایک استعارہ ایجاز اور شدّتِ تاثیر کا بہترین حربہ ہوتا ہے۔ محاورے کے استعمال سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ زبان جس معاشرے میں بولی جاتی ہے وہ تہذیب و تمدن کے کتنے ارتقائی مدارج طے کر چکی ہے۔ میر امن کی نثر ایسے محاورات سے پُر ہے۔ جو آج بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ لیکن بعض ایسے بھی ہیں جو اب تقریباً متروک ہو چکے ہیں۔ چند غیر معروف محاوروں کی مثالیں دیکھیے۔

''تھوڑے عرصے میں سب زخم بھر کر انگور کر لائے۔''

''میں یہ بات سنتے ہی کاٹھ ہو گیا۔''

میر امن نے روزمرہ اور محاوروں کا بھی استعمال برجستہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ فقرے دیکھیے۔

''تم نے آستین میں سانپ پالے ہیں۔''

''سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی اور انگاروں پر لوٹنے لگی۔''

''خوشی کے مارے ایسا پھولا کہ جامے میں نہ سماتا تھا۔''

''اس کی چھاتی پر سانپ پھر گیا۔''

''تو اسی طرح خاک چھانتا پھرے گا''

ڈوبتے کو تنکے کا آسرا بہت ہے''

ہم نے عرش پر جھنڈا گاڑا ہے''

مینڈکی کو بھی زکام ہوا۔''

5.3.3 ضرب الامثال:

میر امن کی نثر میں جہاں روزمرہ، محاروں کی بھرمار ہے وہیں ضرب الامثال کا بھی خاصا استعمال ہے، اردو زبان میں ضرب الامثال کا بہت ذخیرہ ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اردو زبان میں ہندوستانی ضرب الامثال کے ساتھ بہت سے فارسی اور عربی ضرب الامثال بھی رائج ہیں۔ ہر ضرب المثل کے پیچھے انسانی تجربات کا ایک طویل سلسلہ ہوتا ہے اور خصوصاً افسانوی ادب میں جہاں انسانی تجربات اور کیفیات کا بیان ہوتا ہے، ضرب الامثال کے استعمال سے ہمارے اپنے تجربات اور احساسات کا رشتہ ماضی کے تجربوں سے منسلک ہو جاتا ہے۔ میر امن نے اپنی تخلیقات میں جو ضرب الامثال تحریر کیے ہیں ان کی چند مثالیں دیکھیے:

''اونٹ چڑھے کتا کاٹے''

''صورت نہ شکل چولہے میں نکل''

''اوسر چوکی ڈومنی، گاوے تال بے تال''

''مٹتی نہیں کرم کی ریکھا''

''ابھی دلی دور ہے''

''جس کی نہ پھٹی ہو بوائی، کیا جانے پیر پرائی''

''کتے کی دم کو بارہ برس گاڑو تو بھی ٹیڑھی رہے''

''ان نینوں کا یہی بسیکہ، وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ''

تخلیق میں انتہائی درجہ کی عوامیت کبھی کبھی عامیانہ پن میں تبدیل ہو جاتی ہے اور ادب کی ادبیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لیکن میر امن کی نثر اپنی سادگی اور روزمرہ کے استعمال کے باوجود بھی متاثر نہیں ہوتی۔

5.3.4 کرداروں کی زبان/طبقاتی زبان:

میر امن دہلوی ہر طبقے کی زبان اور لہجے سے اچھی واقفیت رکھتے تھے۔ وہ کرداروں کے لحاظ سے زبان کا استعمال کرتے تھے۔ باغ و بہار میں عورتوں اور مردوں کی گفتگو کا انداز ہر جگہ مختلف نظر آتا ہے۔

> ''اگر منصفی فرمایئے اور اس فدوی کی عرض قبول کیجیے تو بہتر یوں ہے کہ جہاں پناہ ہر دم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی طرف لگا کر دعا مانگا کریں، اس درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا۔ دن کو بندوبست ملک کا اور انصاف، عدالت غریب غربا کی فریادیں، تو بندے خدا کے دامن دولت کے سایے میں امن وامان خوش رہیں۔''

> ''میں کنیا زیرباد کے دیس کے راجہ کی بیٹی ہوں۔ اور وہ گبرو جو زندانِ سلیمان میں قید ہے، اس کا نام بہرہ مند ہے۔ میرے پتا کے منتری کا بیٹا ہے۔ ایک روز مہاراج نے آگیا دی کہ جتنے راجہ اور کنور ہیں۔ میدان میں زیر جھروکے نکل کر تیر اندازی اور چوگان بازی کریں تو گھڑ چڑھی اور کسب ہر ایک کا ظاہر ہو۔ میں رانی کے نیڑے جو میری ماتا تھیں، ٹھاری پر او جھل بیٹھی تھی اور دائیاں اور سہیلیاں حاضر تھیں۔ تماشا دیکھتی تھی یہ دیوان کا پوت سب میں سندر تھا اور گھوڑے کو کاوے دے کر کسب کر رہا تھا۔ مجھ کو بھایا اور دل سے اس پر ریجھی، مدت تلک یہ بات گپت رکھی۔ آخر جب بہت بیاکل ہوئی، تب دائی سے کہا اور ڈھیر سا انعام دیا۔''

> ''سوداگر بچہ، یعنی بیٹی وزیر کی، اپنی ماں کے پانو پر جا گری اور روئی اور بولی کہ میں تمہاری جائی ہوں۔ سنتے ہی وزیر کی بیگم گالیاں دینے لگی کہ اے تتری! تو بڑی شتا ہو نکلی۔ اپنا منہ تو نے کالا کیا اور خاندان کو رسوا کیا۔ ہم تو تیری جان کو رو پیٹ کر صبر کر کے تجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، جا دفع ہو۔''

میر امن نے اپنی نثر میں عورتوں کی زبان کے بھی دلچسپ نمونے پیش کیے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ان کی تخلیق 'باغ و بہار' شاید واحد کتاب ہو جس میں اٹھارویں صدی کے اواخر کی دلی کی زنانہ زبان محفوظ کر دی گئی ہے۔

پہلے درویش کی بہن کے یہ جملے ملاحظہ ہوں:

> ''اے بیرن! تو میری آنکھوں کی پتلی اور ماں باپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے، تیرے آنے سے میرا کلیجا ٹھنڈا ہوا''

بھائی کو رخصت کرتے ہوئے بہن کی زبان:

> ''آنسو پی کر بولی! سدھارو، تمھیں خدا کو سونپا پیٹھ دکھاتے جاتے ہو، اسی طرح جلد اپنا منہ دکھائیو۔''

شہزادی دمشق پہلے درویش کو کھری کھری سناتی ہے:

> ''چہ خوش! آپ ہمارے عاشق ہیں؟ مینڈ کی کو بھی زکام ہوا...اگر کسی اور نے یہ حرکت بے معنی کی ہوتی پروردگار کی سوں اس کی بوٹیاں کٹوا چیلوں کو بانٹتی۔''

نسوانی کرداروں میں سب سے تیکھی گفتگو بادشاہ فرنگ کی کٹنی کرتی ہے جس کا حلیہ اور مکالمہ میر امن کی زبانی ملاحظہ ہو:

''ایک بڑھیا شیطان کی خالہ اس کا خدا کرے منہ کالا، ہاتھ میں تسبیح لٹکائے، برقع اوڑھے، دروازہ کھلا پا کر دھڑک چلی آئی اور سامنے ملکہ کے کھڑی ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا دینے لگی کہ الٰہی تیری نتھ جوڑی، سہاگ کی سلامت رہے اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے۔ میں غریب رنڈیا فقیرنی ہوں۔ ایک بیٹی میری ہے وہ دو جی سے پورے دونوں دردزہ میں مرتی ہے اور مجھ کو اتنی وسعت نہیں کہ ادھی کا تیل چراغ میں جلاؤں،۔۔۔۔اے صاحب زادی اپنی خیر، کچھ ٹکڑا پارچہ دلا، تو اس کو پانی پینے کا آدھار ہو۔''

کسی عہد کی تہذیب کو سمجھنے میں اس عہد کی طبقاتی زبان معاون ہوتی ہے۔ میر امن کے قصوں میں مختلف طبقات کا انداز گفتگو اس عہد کی اخلاقی قدروں کو سمجھنے میں معاون ہوتا ہے۔ جب کوئی وزیر بادشاہ کے روبرو بات کرتا ہے تو اس کا انداز اس طرح ہوتا ہے:

''اگر منصفی فرمایئے اور اس فدوی کی عرض قبول کیجیے تو بہتر یوں ہے کہ جہاں پناہ ہر دم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی طرف لگا کر، دعا مانگا کریں، اس کی درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا، دن کو بندوبست ملک کا اور انصاف، عدالت غریب غربا کی فرمائیں، تو بندے خدا کے دامن دولت کے سائے میں امن و امان خوش رہیں۔''

جیوتشی جب بادشاہ سے بات کرتا ہے تو یوں گویا ہوتا ہے۔

''قبلۂ عالم! یہ برس سارا نحس ہے، کسی چاند میں کوئی تاریخ سعد نہیں ٹھہرتی۔''

جب شہزادیاں گفتگو کرتی ہیں:

''ملکہ نے آداب بجا لا کر التماس کیا کہ یہ لونڈی وہی گنہ گار ہے جو غضب سلطانی کے باعث جنگل میں پہنچی۔''

حاتم کو نوفل کے دربار میں لے جانے والے لکڑہارے کی زبان:

''کیا ٹر ٹر کرتی ہے؟ ہمارے طالع میں یہی لکھا ہے کہ روز لکڑیاں توڑیں اور سر پر دھر کر بازار میں بیچیں، تب لون روٹی میسر آوے یا ایک روز جنگل سے باگھ لے جاوے، لے اپنا کام کر۔''

کرداروں کی زبان کے حوالے سے پیش کی گئی مثالوں سے اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ میر امن کا مطالعہ اور مشاہدہ وسیع تھا، انھوں نے عوام کے بیچ زندگی گزاری تھی۔ اسی لیے ہر طبقے کے لب و لہجے سے ان کی واقفیت تھی۔ کرداروں کی زبانی ادا ہونے والے الفاظ طبقاتی تقسیم کو بھی ظاہر کرتے ہیں بادشاہ، وزیر، امرا کی گفتگو کا لہجہ اور لفظیات مختلف ہیں۔ خواتین اور مردوں کا انداز علٰیحدہ ہے۔ مختلف طبقوں کی گفتگو کا اندازہ بھی اس عہد کی تہذیب کو نمایاں کرتا ہے۔ میر امن کے نثر کی اس صفت کو بھی تقریباً ہر ناقد نے تسلیم کیا ہے کہ جہاں زبان کی سادگی اور سلاست پائی جاتی ہے وہیں اس میں اپنے عہد کی تہذیب بھی موجود ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اس حوالے سے کہتے ہیں کہ:

''باغ و بہار میں دلی کی تہذیب بول رہی ہے اس کی تصویریں گردش کر رہی ہیں اس کے

امرا اس کے میلے ٹھیلے اس کے سیر و تماشے، اس کی ضیافتیں اس کی تقریبات، اس کے رسوم و قواعد، اس کے آداب و مراسم، غرض اس میں سب کچھ وہ ہے جو اس زمانے کی دلی میں تھا یا ہوسکتا تھا گویا یہ ایک زندگی کا نقشہ ہے۔‘‘

میر امن اپنے بیان کو پُر شکوہ اور پُر تکلف نہیں بناتے بلکہ وہ عام بول چال کی زبان اور روزمرہ کا استعمال کرتے ہیں اور یہی ان کے اسلوب کی خوبی بن گئی ہے۔ پروفیسر گیان چند جین میر امن کی سادہ اور سلیس نثر کے متعلق لکھتے ہیں:

’’یہ زبان آسان اور سریع الفہم ہے لیکن خشک، عاری، روکھی، پھیکی، اُبالی، کھچڑی نہیں، اس میں قدم قدم پر محاورہ و روزمرہ کی ملاحت ہے۔ امن کی کوئی عبارت ایسی نہیں ہوتی جس میں جملوں کی دروبست، محاوروں کی بندش اعلیٰ نہ ہو۔ اس میں ایک پختہ نہر کی روانی ہوتی ہے۔‘‘

یقیناً میر امن کی نثر میں پختہ نہر کی سی روانی موجود ہے، اور اس سادگی میں وہ پُرکاری ہے جو اس کی حلاوت میں اضافہ کرتی ہے۔ بقول خواجہ احمد فاروقی:

’’بلاشبہ میر امن نے وہ نئی نثر ایجاد کی ہے جس کے جملے آج مصری کی ڈلیاں اور شربت کے گھونٹ ہیں۔‘‘

5.3.5 تراکیب، قافیہ، الفاظ کی تکرار:

میر امن کی نثر میں ایک خوبصورت آہنگ پایا جاتا ہے اور یہی اس کی دلکشی کا راز بھی ہے۔ یہ آہنگ عموماً ہم قافیہ الفاظ سے پیدا ہوتا ہے جو اکثر مکالماتی جملوں میں بے ساختہ آئے ہیں۔ بعض جگہوں پر میر امن نے ہم قافیہ الفاظ لانے کا التزام بھی کیا ہے۔

میر امن جگہ جگہ فارسی الفاظ، تراکیب، تشبیہات اور استعارات کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن ان کا اسلوب کہیں بھی نوطرزِ مرصع یا فسانہ عجائب کی طرح مرصع، مسجع، اور مقفیٰ عبارت آرائی کے سبب ثقیل معلوم نہیں ہوتا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ میر امن کی سجع کاری افعال تک ہی محدود ہے اور وہ بھی بعض فقرے کے آخری لفظ سے ہم قافیہ ہے۔ یہ شاید اس احساس کا نتیجہ ہے کہ کوئی کتاب لکھی جارہی ہے اور قدیم زمانے کی داستان ہے جو سنانے کے لیے تحریر کی جارہی ہے۔ میر امن کی اس ہنر کا اندازہ کچھ اس طرح کیا جاسکتا ہے۔

’’میں نے کہا کہ اجی اب پھر کب ملاقات ہوگی؟ یہ کیا تم نے غضب کی بات سنائی؟ اگر جلد آؤ گی تو مجھے جیتا پاؤ گی نہیں تو پچھتاؤ گی۔‘‘

’’کپڑے پھاڑنا، نہ کھانے کی سدھ نہ بھلے برے کی بدھ۔‘‘

’’معلوم نہیں خود بخود یہ کیا غضب ٹوٹا جوان کا آرام او کھانا پینا سب چھوٹا۔‘‘

میر امن نے عام طور پر اپنی نثر کو شاعرانہ طریقوں سے موثر بنانے کے بجائے نثر کے خاص وسائل کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کی اثر آفرینی کا یہ حربہ تکرار الفاظ اور تابع مہمل کا استعمال ہے، جس سے جوش اور خوش آہنگی پیدا کرنا مقصود ہے۔ مثلاً

''برس دن کے عرصے میں ہرج مرج کھینچتا ہوا شہر نیم روز میں جا پہنچا جتنے وہاں کے آدمی ہزاری اور بزاری نظر پڑے، سیاہ پوش تھے، جیسا احوال سنا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا.......پہلی تاریخ، سارے لوگ اس شہر کے چھوٹے بڑے، لڑکے بالے، امرا ،بادشاہ،عورت مرد ایک میدان میں جمع ہوئے۔''

''اور فرمایا کہ احوال شہزادے کے طالعوں کا دیکھو اور جانچو اور جنم پتری درست کرو اور جو کچھ ہونا ہے، حقیقت پل پل، گھڑی گھڑی، اور پہر پہر اور دن دن، مہینے مہینے اور برس برس مفصل حضور میں عرض کرو۔''

''سارا بدن میرا پونچھ پانچھ کر خون وخاک سے پاک کیا اور شراب سے دھو دھا کر زخموں کو ٹانکے دے کر مرہم لگایا۔''

میرامن نے اپنی نثر میں تراکیبوں کا بھی استعمال کیا ہے۔انھوں نے توصیفی اور اضافی ترکیبوں کو آسان کرنے کے لیے بھی خاص کوشش کی ہے۔اگرچہ فارسی انداز پران مرکبات کا ایک فائدہ بھی ہوتا ہے کہ ان سے اختصار اور بعض اوقات صوتی خوش نمائی پیدا ہو جاتی ہے۔مرکبات توصیفی میں آسانی کی خاطر جملوں کا استعمال کیا ہے۔

''بموجب حکم بادشاہ کے اس آدھی رات میں کہ عین اندھیری تھی، ملکہ کو جو نرے بھونرے میں پلی تھیں اور سوائے اپنے محل کے دوسری جگہ نہ دیکھی تھی، بھوئی لے جا کر ایک میدان میں کہ وہاں پرندہ پر نہ مار سکتا تھا، انسان کا تو کیا ذکر ہے، چھوڑ کر چلے آئے۔''

''اس عمارت عالی شان کی تیاری کی خبر رفتہ رفتہ ظل سبحانی کو جو قبلہ گاہ ملک کے تھے پہنچی۔''

ایک روز بالاخانے پر محل کے، کہ بلند تھا، واسطے سیر اور تماشا دریا روصحرا کے میں بیٹھا تھا۔''

میرامن کی تصنیف 'باغ وبہار' کی ہر دلعزیزی اس کے منفرد اسلوب اور انوکھے انداز بیان میں مضمر ہے۔میرامن نے اسلوب کی یہ ندرت کبھی کسی چست محاورے کے ذریعہ پیدا کی ہے اور کبھی تشبیہ، تمثیل یا استعارے کے ذریعہ۔کہیں کہیں انھوں نے صنائع کا بھی التزام کیا ہے۔لیکن بالعموم میرامن کی نثر چھوٹے چھوٹے، سبک اور خوبصورت جملوں سے تشکیل پاتی ہے جو بظاہر بہت آسان ہے۔

یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے کہ پوری کی پوری 'باغ و بہار' اسی سلیس، بے ساختہ اور دلکش اسلوب میں نہیں لکھی گئی بلکہ کہیں کہیں اس کے جملے کا ادق اور پیچیدہ بھی ہیں۔یہ پیچیدگی یا تو جملوں مختلف اجزاء کی تقدیم وتاخیر سے پیدا ہوئی ہے یا کہیں کہیں بنیادی جملے میں کسی ضمنی جملے کی پیوندکاری سے سلاست میں کمی آگئی ہے۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

''میں نے اس کا دل بہت بے اختیار شوق میں ان کی خریداری کے پایا۔''

ایک بار لونڈی میری خاطر ترکستان سے میرا باپ لایا۔''

''بموجب حکم بادشاہ کے، اس آدھی رات میں کہ عین اندھیری تھی ملکہ کو جو نرے

بھونرے میں پلی تھیں اور سوائے اپنے محل کے دوسری جگہ نہ دیکھی تھی بھولی لے جا کر ایک
میدان میں کہ وہاں پرندہ پر نہ مار سکتا، انسان کا تو کیا ذکر ہے چھوڑ کر چلے آئے۔''

مذکورہ چند مثالوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جملے فارسی عبارت آرائی کے زیر اثر تحریر کئے گئے۔ ان مثالوں میں 'کہ' کا استعمال بھی توجہ طلب ہے۔ میرامن عموماً توصیفی جملوں کو جو یا' جو کہ' کے بجائے صرف 'کہ' سے شروع کرتے ہیں۔ جو آج ذہن پر گراں گزرتے ہیں۔

5.3.6 ہندی الفاظ کا استعمال:

باغ و بہار کی زبان میں جو رعنائی اور سلاست ملتی ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میرامن نے موقع ومحل کی مناسبت سے ہندی کے بہت سارے ایسے ہلکے پھلکے الفاظ استعمال کئے ہیں جواب عموماً اردو میں نہیں بولے جاتے۔ اگر چہ زبان کے فطری ارتقا کا دھارا معاشرہ کی شعوری کوششوں سے نہیں رکتا اور شاید گزشتہ ایک صدی کے اردو ہندی اختلاف نے ان ہندی الفاظ کو ہمارے لیے اجنبی بنا دیا ہے لیکن اگر یہ الفاظ اردو میں رائج رہتے تو ہماری زبان کا دامن اور وسیع ہوتا۔ میرامن کی نثر میں مستعمل ہندی الفاظ کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

''میری تقدیر میں نہیں لکھا کہ وارث پتر اور تخت کا پیدا ہو۔''

''اگر اس کو زندگی ہوئی تو تمھیں بڑا جس ہوگا۔''

''اسی دن اچھی ساعت شبھ لگن میں چپکے چپکے قاضی نے نکاح پڑھ دیا۔''

خواجہ سگ پرست کی داستان میں چوں کہ ہندو معاشرہ کی تصویر کشی کی گئی ہے اس لیے محل وموقع کی مناسبت سے بہت سے ہندی الفاظ آئے ہیں۔

''ایک پنڈت میرے نزدیک آیا اور سمجھانے لگا کہ مانس ایک دن جنم پاتا ہے اور ایک روز
ناس ہوتا ہے۔ دنیا کا یہ اوگن ہے۔ اب یہ تیری استری اور پوت اور دھن اور چالیس دن کا
اسباب بھوجن کا موجود ہے اس کو لے اور یہاں رہ۔''

کہیں کہیں ہندی دوہوں کے ذریعہ بھی میرامن نے اپنی نثر کو مزین کیا ہے۔

میرامن کی نثر میں چاہے واقعات کا بیان ہو یا لفظیات کا استعمال ہر قدم پر میرامن کی ذہانت اور سبب تالیف کا اظہار ہوتا ہے۔ واقعات کی تفصیلات ذہانت کو ظاہر کرتی ہیں اور عوام وخواص میں مستعمل سینکڑوں الفاظ کو یکجا کر کے فورٹ ولیم کالج کے قیام کا مقصد پورا ہوتا نظر آتا ہے۔ کتاب پڑھنے والے کو زیادہ سے زیادہ عام بول چال کے الفاظ کا علم ہوتا ہے، گل کرسٹ کی خواہش بھی یہی تھی کہ بول چال کی زبان میں کتاب لکھی جائے۔ میر امن نے ان کی ہدایت پر عمل کیا اور سادہ بیانیہ میں داستانی اسلوب کو برت کر وہ کارنامہ انجام دیا جو اردو ادب کا شاہکار ثابت ہوا اور آج بھی اس کی سادگی و پرکاری دیدہ زیب ہے۔

5.4 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں آپ

- میرامن دہلوی اوران کی تصانیف سے متعارف ہوئے۔
- ''باغ و بہار'' کے اسلوب سے واقف ہوئے۔
- اردوادب میں سادہ نثر کی ابتدا وارتقاء کو بھی جان سکے۔
- داستان میں مستعمل محاوروں اور روزمرہ سے واقف ہوئے۔
- داستان میں کرداروں کی زبان کی خصوصیات سے بھی واقف ہوئے۔
- میرامن دہلوی کی زبان کے محاسن اوراسلوب سے واقف ہوئے۔

5.5 اپنا امتحان خود لیجیے

-1 میرامن نے ''باغ و بہار'' کس کی فرمائش پر لکھی؟

-2 میرامن کی داستان ''باغ و بہار'' کس کتاب کا ترجمہ ہے؟

-3 میرامن نے کس طرح کی نثر کی ایجاد کی؟

-4 ''باغ و بہار'' کے کرداروں کی زبان کی خصوصیات بتائیے۔

-5 ''باغ و بہار'' میں ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عمدہ تصویرکشی کی گئی ہے۔امثال کے ساتھ وضاحت کیجئے۔

5.6 سوالوں کے جوابات

-1 میرامن نے ''باغ و بہار'' جان گلکرسٹ کی فرمائش پر لکھی۔

-2 میرامن دہلوی نے میر محمد حسین عطاخاں تحسین کی کتاب ''نوطرز مرصع'' کو ''باغ و بہار'' کے نام سے ترجمہ کیا۔

-3 میرامن نے اردوادب میں سادہ نثر کی لکھنے کی روایت شروع کی۔

-4 ''باغ و بہار'' میں کرداروں کی زبان مقتضائے حال کے مطابق ہے۔طرز گفتگو میں حسب مراتب کا خیال رکھا گیا ہے۔مکالمے ایسے فطری انداز میں ادا ہوئے ہیں کہ کرداروں میں جان پڑ گئی ہے۔مثال کے طور پر فقیرنی کا لہجہ ملاحظہ ہو۔

''تیری نتھ چوڑی سہاگ کی سلامت رہے اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے۔میں غریب رنڈیا فقیرنی ہوں۔''

عورت کا لب ولہجہ دیکھیے :

''یہ نگوڑا جو کہتا گیا میں مانتی گئی۔ اب یہ ناچ نچا کر مجھے کوٹھے پر لے گیا۔ میرے سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی اور انگاروں پر لوٹنے لگی۔''

-5 ''باغ و بہار'' میں دلی کی تہذیب بول رہی ہے۔ اس کے افراد، اس کے میلے ٹھیلے، اس کی ضیافتیں، اس کی تقریبات، رسوم وقواعد، آداب ومراسم غرض اس میں وہ سب کچھ ہے جو اس وقت دلی کا ماحول تھا۔ ''باغ و بہار'' ایک تہذیب کی آواز ہی نہیں بلکہ اس زمانے کے ذہنی رجحانات کا آئینہ دار بھی ہے۔ اس میں جتنے واقعات بیان ہوئے ہیں یا کرداروں کی زبان سے جتنی باتیں کہلائی گئی ہیں ان میں دہلوی تہذیب ومعاشرت کی گہری چھاپ ہے۔ اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے یہ کتاب اپنے عہد کی ایک معاشرتی دستاویز بن گئی ہے۔ زیور پہننا ہندوستانی تہذیب کی ایک نمایاں صفت ہے۔ بوڑھی عورتیں بھی اس کی شائق ہوتی ہیں:

''ایک بوڑھی سی عورت صلیب قیامت کرسی پر گہنا پاتا پہنے ہوئے بیٹھی ہے۔''

گڈے گڑیا کا کھیل، گلگلہ کا ذکر، رخصت کے وقت امام ضامن کا روپیہ باندھنا، ماتھے پر دہی کا ٹیکہ لگانا، مہادیو کا منڈپ، شیوراتری وغیرہ کا ذکر ''باغ و بہار'' میں موجود ہے جو ہندوستانی رسوم کی جھلک ہے۔ محلوں کا نقشہ، کھانے پینے کا اہتمام، بادشاہوں کے دربار، شہزادوں اور شہزادیوں کے ٹھاٹ، ان کے لباس، جشن کے موقعے کے نقشے، ثقہ لکھنے کا اہتمام وغیرہ کا ایسا جیتا جاگتا بیان ہے کہ عہد مغلیہ کی جھلک نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ قصے چاہے جہاں کے ہوں ان کی فضا مکمل ہندوستانی معلوم ہوتی ہے۔

5.7 فرہنگ

معرکۃ الآرا	زبردست
سحرکاری	جادو
مرورایام	دنوں کا گزران
اصیل	شریف، خالص نسل کا
میلان	رجحان، رغبت
تخاطب	سامنے ہو کر باتیں کرنا
مہمل	بے معنی، فضول
سند	دست آویز
برمحل	مناسب جگہ
اختصار	چھوٹا کرنا
ایجاز	مختصر کرنا
متروک	ترک کیا ہوا، چھوڑا ہوا

ضرب المثل	کہاوت
فدوی	عاشق، فدا ہونے والا
مرصع	بناوٹ
مسجع	وہ نثری عبارت جس کے جملے ہم قافیہ ہوں
مقفیٰ	قافیہ کیا گیا

5.8 کتب برائے مطالعہ

اردو داستان تحقیق و تنقید	قمر الہدیٰ فریدی	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	۲۰۰۰ء
اردو داستان (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)	ڈاکٹر سہیل بخاری	مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد	۱۹۸۷ء
داستان کا فن	اطہر پرویز	اردو گھر، علی گڑھ	۲۰۱۰ء
اردو زبان اور فن داستان گوئی	کلیم الدین احمد	دائرہ ادب، پٹنہ	
باغ و بہار کا تنقیدی جائزہ	امام مرتضیٰ نقوی	اردو پبلشرز، لکھنؤ	۱۹۷۵ء
داستان سے ناول تک	ڈاکٹر ابن کنول		۲۰۰۱ء